ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

USMAN NOTES
www.usmannotes.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 2963

Program: BS (Islamic Studies)

Semester: Autumn 2026

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

(شعبہ شریعہ، کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ)

کورس: فقہ المعاملات (2963) • سطح: بی ایس (علوم اسلامیہ)

سمسٹر: خزاں 2026

امتحانی مشق نمبر 1 (یونٹ 1 تا 4)

کل نمبر: 100 • کامیابی کے نمبر: 0

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

Reference &For Study — SOLVED ASSIGNMENT GUIDE

نوٹ: یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کورس کی کتاب کے متعلقہ یونٹس غور سے پڑھیں، تصورات کو اچھی طرح سمجھیں اور پھر اسائنمنٹ اپنے الفاظ میں لکھیں۔ اس گائیڈ کو ہو بہو نقل کرنے کے بجائے اپنی فہم کے مطابق تحریر کریں۔ جہاں کسی دینی یا قانونی مسئلے میں قطعی رائے درکار ہو وہاں اہلِ علم اور مستند علماء کی طرف رجوع کریں۔

کورس کا تعارف اور اس مشق کا جائزہ

فقہ المعاملات (2963) بی ایس علوم اسلامیہ کا وہ کورس ہے جس میں مالی و کاروباری لین دین کے شرعی اصول و احکام کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ امتحانی مشق نمبر 1 یونٹ 1 تا 4 پر مشتمل ہے اور اس کے پانچ سوالات بالترتیب وکالت، کفالت، ہبہ، ودیعت اور قرض سے متعلق ہیں۔ اس گائیڈ میں ہر سوال کا جواب تعارف، ذیلی عنوانات، جداول اور

خلاصے کے ساتھ پیش کیا گیا ہے تاکہ طالب علم مسئلے کی پوری صورت سمجھ کر اپنے الفاظ میں جواب لکھ سکے۔ مذاہب فقہ کے اختلاف والے مقامات پر بڑی آراء کا خلاصہ علمی امانت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے؛ کسی عملی تنازعے میں حتمی رائے مستند علماء اور مجاز اداروں ہی کی ہوتی ہے۔

سوال نمبر 1: وکالت۔ عقود کی نسبت، عیب زدہ چیز کی واپسی اور عقد صرف و سلم میں وکالت کے احکام (20 نمبر)

وکیل کی جانب عقود کی نسبت، عیب زدہ چیز کی واپسی، عقد صرف و سلم میں وکیل بنانے کے احکام قلمبند کریں۔ (20)

تعارف

انسانی زندگی کے معاملات اس قدر وسعت اختیار کر چکے ہیں کہ ہر شخص اپنے تمام کاروباری، قانونی اور مالی امور خود انجام نہیں دے سکتا۔ کوئی شخص دور دراز سفر پر ہوتا ہے، کوئی بیماری یا مصروفیت کی وجہ سے بازار یا عدالت میں حاضر نہیں ہو سکتا، اور کسی کے پاس کسی خاص معاملے کی مہارت نہیں ہوتی۔ ایسی صورت میں شریعت اسلامیہ نے وکالت کا نظام عطا کیا ہے، جس کے ذریعے ایک شخص دوسرے کو اپنا نائب اور نمائندہ بنا کر اس کے ذریعے جائز معاملات انجام دے سکتا ہے۔ فقہ المعاملات میں باب الوکالت کو اسی لیے بڑی اہمیت حاصل ہے، اور بڑے بڑے تجارتی ادارے، کمپنیاں اور بینک درحقیقت اسی اصول پر قائم ہیں کہ ان کے منتظمین اور نمائندے اصل مالکان کی طرف سے وکیل کی حیثیت سے تصرف کرتے ہیں۔ اس سوال میں تین باہم مربوط مباحث زیر بحث ہیں: پہلا یہ کہ وکیل کے کیے ہوئے عقود کس کی جانب منسوب ہوتے ہیں اور ان کے حقوق کس سے متعلق ہوتے ہیں، دوسرا یہ کہ خریدی گئی چیز میں عیب نکل آئے تو اس کی واپسی کا حق وکیل کو کس حد تک حاصل ہے، اور تیسرا یہ کہ عقد صرف اور عقد سلم جیسے حساس عقود میں وکیل بنانا کس طرح درست ہوتا ہے اور اس کی شرائط کیا ہیں۔ ان مباحث کو سمجھنے سے وکالت کے باب کی عملی صورت واضح ہو جاتی ہے۔ یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ یہ جواب نصابی مطالعے کی سطح پر عمومی فقہی اصول بیان کرتا ہے؛ کسی مخصوص عملی تنازعے میں حتمی رائے مستند علماء اور مجاز عدالت کی ہوتی ہے۔

وکالت کی تعریف اور بنیادی اصول

وکالت کے لغوی معنی ہیں سپرد کرنا، اعتماد کرنا اور کسی کو اپنا قائم مقام بنانا۔ فقہی اصطلاح میں وکالت اس عقد کو کہتے ہیں جس میں ایک شخص، جسے موکل کہا جاتا ہے، کسی ایسے تصرف میں دوسرے شخص کو، جسے وکیل کہتے ہیں، اپنا نائب مقرر کرتا ہے جس تصرف کا وہ خود بھی اختیار رکھتا ہو۔ اس تعریف سے کئی شرائط نکلتی ہیں۔ اول یہ کہ موکل اس تصرف کا اہل ہو، یعنی عاقل اور بالغ یا ماذون ہو، کیونکہ جو اختیار انسان کو خود حاصل نہیں وہ دوسرے کو بھی نہیں دے سکتا۔ دوم یہ کہ وکیل بھی اہل تصرف ہو، کم از کم اتنا سمجھدار ہو کہ عقد کے مقصد کو سمجھ سکے۔ سوم یہ کہ جس کام کی وکالت دی جا رہی ہے وہ شرعاً جائز اور قابل نیابت ہو، یعنی ایسا عمل ہو جس میں دوسرے کا قائم مقام بننا ممکن ہو۔ خرید و فروخت، اجارہ، قرض کی وصولی، مقدمے کی پیروی اور نکاح جیسے اعمال میں نیابت ممکن ہے، جبکہ خالص جسمانی عبادات مثلاً نماز اور روزے میں نیابت نہیں ہو سکتی۔ چہارم یہ کہ وہ کام معلوم اور متعین ہو تاکہ وکیل اپنی حدود سے واقف رہے۔ فقہاء نے وکالت کو عام اور خاص، مطلق اور مقید کئی اقسام میں تقسیم کیا ہے۔ عام وکالت میں وکیل کو وسیع اختیارات ملتے ہیں جبکہ خاص وکالت کسی ایک معین کام تک محدود ہوتی ہے۔ وکیل کی حیثیت شریعت میں امین کی ہے یعنی سپرد شدہ مال اور اختیار اس کے پاس امانت ہوتا ہے۔ جب تک وہ مقررہ حدود کے اندر رہے اور تعدی یا تقصیر نہ کرے، نقصان کا ضامن نہیں ہوتا۔ یہی امانت کا اصول اس پورے باب کی روح ہے اور آگے بیان ہونے والے تینوں مباحث اسی اصول کی روشنی میں سمجھے جاتے ہیں۔

عقود کی نسبت وکیل کی جانب: بنیادی قاعدہ

وکالت کے اہم ترین مباحث میں سے ایک یہ ہے کہ وکیل جو عقد کرتا ہے اس کی نسبت کس کی طرف ہو گی اور اس عقد کے حقوق و فرائض کس سے متعلق ہوں گے۔ فقہ حنفی کے مشہور قاعدے کے مطابق عقود کو دو بڑی جماعتوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ پہلی جماعت ان عقود کی ہے جن میں عقد کی اضافت وکیل کی طرف ممکن ہوتی ہے اور وکیل عقد میں اصیل کی طرح ظاہر ہوتا ہے، جیسے بیع، شراء، اجارہ، استئجار، ہبہ میں قبضہ اور اس قبیل کے مالی معاملات۔ ان عقود میں عقد کے حقوق، جنہیں حقوق العقد کہا جاتا ہے، وکیل کی طرف لوٹتے ہیں۔ اس کا عملی مطلب یہ ہے کہ اگر وکیل نے کسی کے لیے چیز خریدی تو اس کی قیمت کی ادائیگی کا مطالبہ بائع وکیل سے کرے گا، چیز کا قبضہ وکیل لے گا، بائع

کے قبضے سے چیز کی ہلاکت کی ذمہ داری کے مسائل وکیل سے متعلق ہوں گے، اور عیب کی صورت میں واپسی کا اختیار بھی ابتداءً وکیل کو حاصل ہو گا۔ اسی طرح اگر وکیل نے فروخت کی تو خریدار سے قیمت وصول کرنا، چیز سپرد کرنا اور عیب کی بنیاد پر واپسی قبول کرنا وکیل کی ذمہ داری ہو گی۔ البتہ ان عقود کا اصل مالی فائدہ اور ملکیت موکل کی ہوتی ہے، کیونکہ وکیل محض ذریعہ ہے، اور حقوق کا وکیل سے متعلق ہونا محض اس عملی مصلحت کی وجہ سے ہے کہ فریق ثانی وکیل ہی کو جانتا ہے اور اسی سے معاملہ کرتا ہے۔ دوسری جماعت ان عقود کی ہے جن میں عقد کی اضافت وکیل کی طرف ممکن نہیں ہوتی بلکہ عقد براہ راست موکل کی طرف منسوب ہوتا ہے اور وکیل اس میں محض سفیر، مبلغ اور پیغام رساں کی حیثیت رکھتا ہے، جیسے نکاح، خلع، طلاق سے متعلقہ صلح اور دم عمد پر صلح وغیرہ۔ نکاح میں وکیل لڑکے یا لڑکی کا نام لے کر ایجاب و قبول کرتا ہے، اس لیے زوجیت کا تعلق موکل ہی سے قائم ہوتا ہے اور مہر و نفقہ جیسے حقوق و فرائض بھی موکل ہی سے متعلق ہوتے ہیں، وکیل سے نہیں۔ یہ فرق بہت اہم ہے، کیونکہ غلط نسبت سے غلط فریق پر ذمہ داری عائد ہو سکتی ہے۔ فقہاء نے اس کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ جن عقود میں وکیل کی شخصیت ظاہر کرنا شرعاً یا عرفاً ممکن ہو وہاں اسے ظاہر مان لیا جاتا ہے، اور جہاں عقد کی نوعیت ہی ایسی ہو کہ اس کا اثر سیدھا اصل شخص پر مرتب ہوتا ہو، وہاں وکیل محض واسطہ رہتا ہے۔ جدید دور میں کمپنی کے مینیجر، ایجنٹ اور اٹارنی کے معاملات کو اسی قدیم قاعدے کی روشنی میں پرکھا جاتا ہے۔

Figure 1: Structure of Wakala (Agency) — Contract Concluded Through the Agent



شکل 1: وکالت کی ساخت — موکل وکیل کو اختیار دیتا ہے اور وکیل اس کی طرف سے فریق ثانی سے عقد کرتا ہے۔

عیب زدہ چیز کی واپسی میں وکیل کے اختیارات

خرید و فروخت میں عیب کی بنیاد پر واپسی کو رد بالعیب کہا جاتا ہے اور اسی حق کو خیار العیب بھی کہتے ہیں۔ عیب سے مراد وہ نقص ہے جو عرف میں چیز کی قیمت کم کر دے اور خریدار اگر خریدتے وقت اس سے واقف ہوتا تو یا خریدتا ہی نہیں یا اسی قیمت پر نہ خریدتا۔ اب سوال یہ ہے کہ جب خریداری وکیل کے ذریعے ہوئی ہو تو عیب زدہ چیز کی واپسی کون کرے گا۔ فقہاء کا بنیادی اصول یہ ہے کہ جب تک خریدی گئی چیز وکیل کے قبضے میں موجود ہو اور اس نے موکل کو سپرد نہ کی ہو، تو عیب ظاہر ہونے پر وکیل خود اسے بائع کو واپس کر سکتا ہے، کیونکہ جیسا کہ اوپر بیان ہوا، عقود معاوضہ میں حقوق العقد وکیل سے متعلق ہوتے ہیں۔ اس واپسی کے لیے موکل کی اجازت کی ضرورت نہیں، بلکہ یہ وکیل کے فرائض منصبی میں شامل ہے کہ وہ موکل کے مفاد کی حفاظت کرے۔ البتہ اگر وکیل نے چیز موکل کے حوالے کر دی اور موکل نے اسے قبول کر لیا، تو اب واپسی کا حق موکل کو منتقل ہو جاتا ہے اور وکیل موکل کی اجازت کے بغیر واپس نہیں کر سکتا، کیونکہ چیز اس کے قبضے اور ذمہ داری سے نکل چکی ہے۔ ایک تیسری صورت یہ بھی ہے کہ وکیل نے بائع سے خریدتے وقت عیب دیکھ لیا ہو یا اسے معلوم ہو گیا ہو اور پھر بھی خرید لی ہو، ایسی صورت میں وکیل کی یہ خریداری موکل کے خلاف نافذ نہیں سمجھی جائے گی اگر موکل راضی نہ ہو، کیونکہ وکیل امین ہے اور امین کا کام موکل کے مفاد کی نگرانی ہے، اسے نقصان پہنچانا نہیں۔ اس کے برعکس اگر بائع نے عیب چھپایا اور وکیل حسن نیت سے خرید کر لایا تو موکل کو بھی بائع کے مقابلے میں خیار العیب حاصل ہو گا۔ فروخت کی صورت میں معاملہ الٹا ہو جاتا ہے: اگر وکیل نے موکل کی چیز فروخت کی اور خریدار کو اس میں سابقہ عیب مل گیا تو خریدار وکیل ہی کی طرف رجوع کرے گا اور وکیل کو چیز واپس لے کر قیمت لوٹانی ہو گی، پھر وکیل اور موکل کا باہمی حساب الگ سے طے ہو گا۔ واضح رہے کہ عیب کی وجہ سے واپسی کے لیے ضروری ہے کہ عیب پرانا ہو، یعنی بائع کے پاس موجودگی کے زمانے کا ہو، خریدار کے پاس پیدا ہونے والا نیا عیب واپسی کا حق نہیں دیتا، اور عیب معلوم ہونے کے بعد چیز کو استعمال کر کے رضامندی کا اظہار کرنے سے خیار ختم ہو جاتا ہے۔

جدول 1: وکالت میں عقد کی نسبت اور عیب کی واپسی کا خلاصہ

پہلو	حکم	وضاحت

بیع، شراءاور اجارہ میں قیمت، قبضہ اور واپسی کا معاملہ وکیل سے ہوتا ہے	حقوق العقد وکیل کی طرف لوٹتے ہیں	مالی عقود کی نسبت
وکیل محض سفیر ہے، حقوق و فرائض موکل سے متعلق ہوتے ہیں	عقد موکل کی طرف منسوب ہوتا ہے	نکاح وغیرہ کی نسبت
موکل کی اجازت درکار نہیں، یہ اس کے فرائض میں شامل ہے	وکیل خود واپس کر سکتا ہے	عیب کی واپسی (چیز وکیل کے پاس ہو)
اب وکیل موکل کی اجازت کے بغیر واپس نہیں کر سکتا	حق موکل کو منتقل ہو جاتا ہے	عیب کی واپسی (چیز موکل کو مل گئی)
تعدی یا تقصیر پر ہی ضامن ہوتا ہے	امین	وکیل کی حیثیت

عقد صرف میں وکیل بنانے کے احکام

عقد صرف سونے، چاندی اور کرنسیوں کے باہمی تبادلے کو کہتے ہیں، اور سودی احکام کے انتہائی حساس ہونے کی وجہ سے اس کی سب سے اہم شرط یہ ہے کہ دونوں بدلوں پر مجلس عقد ہی میں قبضہ ہو جائے، جسے تقابض فی المجلس کہا جاتا ہے۔ اگر فریقین قبضے سے پہلے مجلس سے جدا ہو جائیں تو عقد صرف فاسد ہو جاتا ہے۔ اب جبکہ صرف کا معاملہ وکیل کے ذریعے ہو تو فقہاء کا قاعدہ یہ ہے کہ وکیل کا قبضہ شرعاً موکل ہی کا قبضہ شمار ہوتا ہے، کیونکہ وکیل موکل کا قائم مقام ہے اور اس کا ہاتھ گویا موکل کا ہاتھ ہے۔ لہٰذا اگر موکل نے کسی کو ہدایت کی کہ وہ اس کی رقم کے بدلے کرنسی خرید لائے، اور وکیل نے مجلس میں قیمت ادا کر کے کرنسی پر قبضہ کر لیا، تو صرف درست اور مکمل ہو جائے گا، خواہ موکل خود مجلس میں موجود نہ ہو۔ لیکن اسی اصول کا تقاضا یہ بھی ہے کہ وکیل مجلس عقد سے جدا ہونے سے پہلے قبضہ مکمل کرے۔ اگر وکیل دوسرے فریق سے قبضہ کیے بغیر اٹھ کھڑا ہوا اور مجلس ختم ہو گئی تو عقد صرف فاسد ہو جائے گا اور موکل کے لیے اسے قبول کرنا درست نہیں ہو گا۔ اسی طرح اگر دونوں طرف وکالت ہو، یعنی خریدار کا وکیل بھی ہو اور

فروخت کنندہ کا بھی، تو دونوں وکیلوں کے درمیان ایجاب و قبول اور تقابض مجلس میں ہونا چاہیے۔ یہاں ایک باریک نکتہ یہ ہے کہ ایک ہی شخص بیک وقت خریدار اور فروخت کنندہ دونوں کا وکیل بن کر اپنے آپ سے صرف کا عقد نہیں کر سکتا، کیونکہ اس صورت میں مجلس میں دو حقیقی فریق موجود ہی نہیں ہوتے اور قبضے کی حقیقت بھی مشکوک ہو جاتی ہے۔ کرنسی ایکسچینج اور منی چینجر کے جدید کاروبار میں وکیل کے قبضے کا یہی اصول لاگو ہوتا ہے، اور الیکٹرانک منتقلی کی صورت میں فقہاء قبضہ حکمی کو بھی انہی اصولوں کی روشنی میں پرکھتے ہیں، تاہم کسی بھی نئی صورت میں عمل سے پہلے اہل علم سے رجوع کرنا چاہیے۔

عقد سلم میں وکیل بنانے کے احکام

عقد سلم اس بیع کو کہتے ہیں جس میں قیمت، جسے راس المال کہا جاتا ہے، نقد مجلس میں ادا کر دی جاتی ہے اور چیز جسے مسلم فیہ کہتے ہیں، ایک مقررہ مدت کے بعد سپرد کی جاتی ہے، بشرطیکہ اس چیز کی جنس، قسم، مقدار اور مدت واضح طور پر متعین ہو۔ سلم میں بھی وکالت درست ہے اور اس کی کئی صورتیں فقہی کتب میں مذکور ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ خریدار، یعنی رب السلم، کسی کو وکیل بنائے کہ وہ اس کی طرف سے سلم کا عقد کر لے۔ اس صورت میں وکیل کا کام عقد کرنا اور راس المال ادا کرنا ہے، اور ضروری ہے کہ راس المال کی ادائیگی مجلس عقد ہی میں ہو، کیونکہ سلم کی بنیادی شرائط میں سے ہے کہ قیمت فوراً ادا ہو، ورنہ یہ کالی بالکالی یعنی ادھار کے بدلے ادھار بن جائے گا جو ممنوع ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وکیل کو مسلم فیہ وصول کرنے کے لیے مقرر کیا جائے، یعنی مدت پوری ہونے پر بیچنے والے سے چیز وصول کرنا وکیل کا کام ہو۔ اس صورت میں وکیل کا قبضہ موکل کا قبضہ شمار ہو گا اور بیچنے والا وکیل کو سپرد گی کر کے بری ہو جائے گا۔ تیسری صورت بیچنے والے، یعنی مسلم الیہ، کی طرف کی وکالت ہے کہ کوئی اس کی طرف سے سلم کا عقد کرے اور راس المال وصول کرے۔ ان تمام صورتوں میں وکیل موکل کی دی گئی شرائط کا پابند رہتا ہے، مثلاً موکل نے جنس، معیار اور مدت متعین کر دی ہو تو وکیل اس سے کم معیار یا مختلف مدت پر عقد نہیں کر سکتا۔ اگر وکیل نے مقررہ شرائط کی خلاف ورزی کی تو وہ عقد موکل پر اس کی رضامندی کے بغیر نافذ نہیں ہو گا اور اس کی ذمہ داری وکیل پر آئے گی۔ سلم چونکہ کسانوں اور چھوٹے کاروباریوں کی مالی ضرورت پوری کرنے کا اہم ذریعہ ہے، اس لیے اس کی وکالت میں امانت اور شرائط کی پابندی کی اہمیت دوگنی ہو جاتی ہے۔

خلاصہ و نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ وکالت فقہ المعاملات کا ایک وسیع اور عملی نظام ہے جس میں وکیل کا ہر عمل موکل کی نیابت میں ہوتا ہے۔ عقود کی نسبت کا قاعدہ یہ ہے کہ بیع و اجارہ جیسے مالی معاملات میں حقوق العقد وکیل کی طرف لوٹتے ہیں، اس لیے قیمت، قبضہ اور عیب کی واپسی جیسے امور وکیل سے متعلق ہوتے ہیں، جبکہ نکاح جیسے عقود میں وکیل محض سفیر ہوتا ہے اور اثر مستقیم موکل پر مرتب ہوتا ہے۔ عیب زدہ چیز کی واپسی کا حق اس وقت تک وکیل کو حاصل رہتا ہے جب تک چیز اس کے قبضے میں ہو، موکل کو سپردگی کے بعد یہ حق موکل کو منتقل ہو جاتا ہے۔ عقد صرف میں وکیل کا قبضہ موکل کا قبضہ ہے، اس لیے تفاضل فی المجلس کی شرط وکیل کے عمل سے بھی پوری ہو سکتی ہے، لیکن قبضے سے پہلے مجلس ختم ہو جائے تو صرف فاسد ہو جائے گا۔ عقد سلم میں وکیل عقد کرنے، راس المال ادا کرنے اور مسلم فیہ وصول کرنے کے لیے مقرر ہو سکتا ہے، بشرطیکہ وہ موکل کی متعین کردہ شرائط سے تجاوز نہ کرے۔ طالب علم کے لیے یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ وکیل ہر صورت امین ہے اور امانت کی حدود کی خلاف ورزی پر وہ خود ذمہ دار بنتا ہے۔ کسی عملی تنازعے میں اس گائیڈ کو حتمی فتویٰ نہ سمجھا جائے بلکہ مستند علماء اور مجاز عدالت سے رجوع کیا جائے۔

سوال نمبر 2: کفالت — ایجاب و قبول، مال مکاتبت کی کفالت اور وفات کے بعد کفیل بننے کے احکام (20 نمبر)

کفیل اور مکفول عنہ کے ایجاب و قبول، مال مکاتبت کی کفالت اور کسی شخص کی وفات کے بعد اس کی جانب سے کفیل بننے کے احکام تحریر کریں۔ (20)

تعارف

معاشرے میں قرض، اعتماد اور ذمہ داری کا نظام اس وقت تک مضبوط نہیں ہو تا جب تک کمزور یا ناآشنا افراد کے وعدوں کو سہارا دینے والا کوئی ضامن موجود نہ ہو۔ اسلام نے اس ضرورت کو کفالت کے نظام کے ذریعے پورا کیا ہے، جس میں ایک شخص کسی دوسرے کی ذمہ داری اپنے اوپر لے لیتا ہے تاکہ حق دار کا حق محفوظ رہے۔ کفالت فقہ المعاملات کا وہ باب ہے جس کا تعلق براہ راست بینکاری ضمانتوں، ضمانتی مچلکوں، عدالتی ضمانتوں اور کاروباری کریڈٹ سے ہے، اس لیے اس کا مطالعہ آج بھی مکمل عملی اہمیت رکھتا ہے۔ اس سوال میں تین مخصوص مباحث درکار ہیں۔ پہلا یہ کہ کفالت کے عقد میں کفیل اور مکفول عنہ کی طرف سے ایجاب و قبول کی نوعیت کیا ہوتی ہے، دوسرا یہ کہ

مکاتب کے مال کتابت کی کفالت درست ہے یا نہیں، اور تیسرا یہ کہ کسی شخص کی وفات کے بعد اس کی جانب سے کفیل بننا جائز ہے یا نہیں اور اس کے شرعی دلائل کیا ہیں۔ یہ تینوں مسائل کفالت کے بنیادی ارکان اور اس کی حدود کو واضح کرتے ہیں۔

کفالت کی تعریف اور اقسام

کفالت کے لغوی معنی ہیں ضم کرنا اور ذمہ داری لینا۔ فقہی اصطلاح میں کفالت اس عقد کو کہتے ہیں جس میں ایک شخص، جسے کفیل کہتے ہیں، دوسرے شخص، جسے مکفول عنہ یا اصیل کہتے ہیں، کی کسی شرعی ذمہ داری کو اپنے ذمے لے لیتا ہے، تاکہ تیسرا شخص، جسے مکفول لہ کہتے ہیں، اپنا حق کفیل سے بھی طلب کر سکے۔ کفالت کی بڑی دو قسمیں ہیں۔ پہلی کفالت بالنفس ہے، جس میں کفیل کسی شخص کو مقررہ وقت پر متعلقہ مجلس، عدالت یا حق دار کے سامنے حاضر کرنے کی ذمہ داری لیتا ہے۔ دوسری کفالت بالمال ہے، جس میں کفیل مقروض کے قرض یا کسی مال کی ادائیگی کی ضمانت دیتا ہے، یعنی اگر اصل شخص ادا نہ کرے تو حق دار کفیل سے مطالبہ کر سکتا ہے۔ کفالت کی اس تقسیم کے ساتھ ایک اور درجہ بندی بھی اہم ہے: کفالت کبھی مکفول عنہ کے حکم اور اجازت سے ہوتی ہے، جسے کفالت بامر کہا جاتا ہے، اور کبھی اس کے علم یا اجازت کے بغیر احساناً کر دی جاتی ہے، جسے کفالت بلا امر کہا جاتا ہے۔ اس فرق کا عملی اثر یہ نکلتا ہے کہ اگر کفیل نے اصیل کے کہنے پر ضمانت دی اور پھر حق دار کو ادائیگی کی، تو وہ ادا شدہ رقم اصیل سے واپس طلب کر سکتا ہے، اور اگر بغیر کہے ضمانت دی تھی تو جمہور فقہاء کے نزدیک اسے رجوع کا حق حاصل نہیں ہوتا، کیونکہ اس نے اپنی مرضی سے تبرع کیا ہے۔ کفالت دراصل ذمے کو ذمے سے ملانے کا نام ہے، یعنی اصیل کی ذمہ داری ختم نہیں ہوتی بلکہ کفیل کا ذمہ بھی اس کے ساتھ شامل ہو جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ مکفول لہ کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ جس سے چاہے پہلے مطالبہ کرے۔

کفیل اور مکفول عنہ کے ایجاب و قبول کے احکام

ہر عقد کی طرح کفالت کا انعقاد بھی ایجاب و قبول سے ہوتا ہے، مگر اس عقد کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں فریقین کی حیثیتیں عام بیع سے مختلف ہیں۔ کفالت میں ایجاب ہمیشہ کفیل کی طرف سے ہوتا ہے، یعنی کفیل اپنے الفاظ سے ضمانت کی پیش کش کرتا ہے، مثلاً وہ کہے کہ میں فلاں کے قرض کا کفیل ہوں، میں نے اس کی کفالت قبول کی، یا میں اس کی

حاضری کا ضامن ہوں۔ یہ الفاظ صریح بھی ہو سکتے ہیں اور ایسے کنایہ الفاظ بھی جن سے عرف میں ضمانت کا مفہوم سمجھا جاتا ہو۔ قبول کی صورت میں فقہاء کے درمیان تفصیل موجود ہے۔ اصول یہ ہے کہ کفالت ایک عقد تبرع ہے، یعنی احسان اور بے لوث تعاون کا عقد، اور کفیل یک طرفہ طور پر اپنی ذمہ داری بڑھا رہا ہوتا ہے، کسی دوسرے پر بوجھ نہیں ڈال رہا ہوتا۔ اس بنا پر جمہور فقہاء کے نزدیک کفالت کا انعقاد بنیادی طور پر کفیل کے ایجاب پر ہوتا ہے اور مکفول عنہ یعنی اصل مقروض کی قبولیت یا رضامندی اس کے صحیح ہونے کے لیے شرط نہیں ہے۔ اس کی وجہ واضح ہے کہ اگر کسی شخص کے بتائے بغیر کسی مقروض کی ضمانت دے دی تو اس سے مقروض کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا بلکہ اس کا بوجھ ہلکا ہوتا ہے، اس لیے اس کی اجازت کی عدم موجودگی عقد کو نہیں روکتی۔ البتہ کفالت بہ یعنی حق دار کی موجودگی اور اس کی طرف سے قبول کی بحث فقہی کتب میں الگ سے مذکور ہے۔ بعض فقہاء کے نزدیک مکفول لہ کی مجلس میں قبولیت اس لیے ضروری سمجھی گئی کہ ضمانت کا فائدہ اسی کو پہنچتا ہے، جبکہ دیگر فقہاء نے اسے بھی شرط نہیں قرار دیا اور کہا کہ کفالت کفیل کے اقرار سے ثابت ہو جاتی ہے۔ اسی طرح مکفول عنہ کی طرف سے کفالت کی درخواست، جسے امر کہا جاتا ہے، عقد کی صحت کے لیے نہیں بلکہ رجوع کے حق کے لیے اہم ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ ان مباحث کا خلاصہ یہ ہے کہ کفالت میں ایجاب کا مرکز کفیل ہے، مکفول عنہ کی قبولیت شرط نہیں، اور اس کی اجازت کا اثر صرف اس قدر ہے کہ ادائیگی کے بعد کفیل اصیل سے رقم واپس لے سکے گا یا نہیں۔ ایک اور شرط یہ بیان کی جاتی ہے کہ کفیل عاقل، بالغ اور اپنے مال میں تصرف کا اہل ہو، کیونکہ کفالت ایک مالی ذمہ داری ہے اور نابالغ یا فاقد الاہلیت شخص یہ بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ اسی طرح کفالت کے صحیح ہونے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ مکفول بہ یعنی جس چیز کی ضمانت دی جا رہی ہے وہ اصولاً معلوم اور قابل مطالبہ حق ہو۔

جدول 1: کفالت کے فریقین اور ایجاب و قبول کی صورت

ایجاب و قبول میں کردار	فقہی نام	فریق
ایجاب اسی کی طرف سے ہوتا ہے؛ ذمہ داری اپنے ذمے لیتا ہے	کفیل	ضامن

اس کی قبولیت یا اجازت عقد کی صحت کے لیے شرط نہیں	مکفول عنہ / اصیل	اصل ذمہ دار
ضمانت کا فائدہ اسے ملتا ہے؛ قبول کی تفصیل میں منتہیٰ کی آراء مذکور ہیں	مکفول لہ	حق دار
نفس کی حاضری یا مال کی ادائیگی	مکفول بہ	ضمانت شدہ چیز

مال مکاتبت کی کفالت کے احکام

مکاتبت اس تاریخی عقد کو کہتے تھے جس میں کوئی مملوک اپنے مالک سے یہ معاہدہ کر لیتا تھا کہ وہ مقررہ رقم اقساط میں ادا کر دے گا تو آزاد ہو جائے گا، اور اس ادا کی جانے والی رقم کو مال کتابت یا بدل کتابت کہا جاتا تھا۔ اس سوال کا مخصوص نکتہ یہ ہے کہ آیا کوئی تیسرا شخص مکاتب کے اس مال کتابت کی کفالت کر سکتا ہے یا نہیں۔ فقہ حنفی کی مشہور رائے کے مطابق مال کتابت کی کفالت درست نہیں ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ کفالت کے لیے ضروری ہے کہ مکفول بہ ایسا حق ہو جو اصیل کے ذمے لازم اور ثابت ہو اور جس کا مطالبہ اس سے کیا جا سکتا ہو، جبکہ بدل کتابت اس حیثیت کا حامل نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مکاتب کے پاس یہ اختیار باقی رہتا ہے کہ وہ ادائیگی سے عاجز ہو کر عقد مکاتبت کو ختم کر دے اور سابقہ حالت کی طرف لوٹ جائے، یعنی اس رقم کی ادائیگی اس پر اس طرح لازم نہیں ہوتی جس طرح عام قرض لازم ہوتا ہے۔ فقہاء اسے دین ضعیف سے تعبیر کرتے ہیں، اور اس اصول کی بنا پر کہ ضعیف اور غیر لازم حق کی ضمانت مستحکم عقد کی طرح نہیں بن سکتی، اس کی کفالت کو نادرست قرار دیا گیا ہے۔ دیگر مذاہب کے فقہاء میں اس مسئلے کی تفصیلات میں اختلاف بھی پایا جاتا ہے اور بعض نے دوسری رائے اختیار کی ہے، اس لیے اسے ایک اختلافی نصابی مسئلے کے طور پر سمجھنا چاہیے۔ آج مملوکیت کا ادارہ دنیا بھر میں ختم ہو چکا ہے، اس لیے یہ مسئلہ اپنی تاریخی صورت میں عملی نہیں رہا، مگر اس کے پیچھے کارفرما اصول آج بھی اہم ہے کہ ضمانت صرف اسی حق کی درست ہوتی ہے جو ضمانت کے وقت لازم اور قابل مطالبہ ہو۔ اسی اصول کا اطلاق جدید ضمانتوں میں بھی ہوتا ہے، مثلاً مشروط یا غیر یقینی مستقبل کے دعووں کی ضمانت کے

مسائل اسی بحث کے تحت پرکھے جاتے ہیں۔ طالب علم کے لیے اصل سبق یہ ہے کہ مکاتبت کا مسئلہ یاد کرتے وقت اس کی علت یعنی دین کا غیر لازم ہونا ذہن میں رکھے، کیونکہ علت سمجھ آنے سے پورا باب آسان ہو جاتا ہے۔

وفات کے بعد کسی شخص کی جانب سے کفیل بننے کے احکام

کفالت کا تیسرا مخصوص مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص وفات پا جائے اور اس کے ذمے قرض ہو، تو کیا اس کی وفات کے بعد کوئی شخص اس کی جانب سے کفیل بن سکتا ہے۔ اس مسئلے کی دو صورتیں ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ مرنے والے نے اپنے پیچھے اتنا مال، یعنی ترکہ، چھوڑا ہو جو اس کے قرض کے برابر یا اس سے زیادہ ہو۔ اس صورت میں فقہاء کے اتفاق کے قریب ہے کہ کفالت درست ہو گی، کیونکہ قرض ترکہ سے متعلق موجود ہے اور کفیل درحقیقت اسی موجود اور ثابت حق کی ضمانت دے رہا ہے۔ دوسری صورت وہ ہے جس میں میت نے کوئی مال نہیں چھوڑا یا اس کا مال قرض سے کم ہے، یعنی وہ مفلس ہو کر مرا ہے۔ اس صورت میں فقہاء کے درمیان مشہور اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی ایک رائے کے مطابق ایسی کفالت درست نہیں ہوتی، کیونکہ میت کا ذمہ مال سے خالی ہو جانے کے بعد وہ حق ساقط سمجھا جاتا ہے اور جو چیز شرعاً ساقط ہو چکی ہو اس کی ضمانت کس چیز کی ہو گی۔ اس کے مقابلے میں صاحبین، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ، اور جمہور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ یہ کفالت درست ہے۔ ان کی مضبوط دلیل وہ مشہور واقعہ ہے جس میں ایک میت کا جنازہ لایا گیا جس کے ذمے قرض تھا اور اس کے پاس ادائیگی کا مال نہیں تھا، تو صحابی رسول حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے اس کے قرض کی ضمانت اپنے ذمے لے لی، جس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ یہ واقعہ صحیح روایات میں مذکور ہے اور اسی سے جمہور نے استدلال کیا کہ میت کے ذمے قرض کی کفالت اور ادائیگی ایک مشروع اور پسندیدہ عمل ہے۔ فقہی اعتبار سے اس اختلاف کو یوں سمجھا جاتا ہے کہ ایک فریق نے قرض کے سقوط کے اصول کو پیش نظر رکھا اور دوسرے فریق نے اس خاص نص اور واقعے کو بنیاد بنایا۔ عملی زندگی میں اس مسئلے کی اہمیت یہ ہے کہ کسی مرحوم کے قرض کی ذمہ داری قبول کرنا خاندانی و اخلاقی اعتبار سے نیکی کا کام سمجھا جاتا ہے اور ورثاء یا اہل خیر عموماً ایسا کرتے بھی ہیں۔ البتہ قانونی سطح پر کسی مرحوم کے کفیل بننے سے پہلے اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ کفیل یہ ذمہ داری اپنی ذاتی حیثیت میں لے رہا ہے۔ یہاں پھر وہی نصیحت دہرائی جاتی ہے کہ یہ محض نصابی مطالعہ ہے، کسی حقیقی مقدمے میں حتمی قانونی و شرعی رائے مجاز فورم ہی سے حاصل کی جائے۔

خلاصہ و نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ کفالت ذمے کو ذمے سے ملانے کا عقد ہے جس میں کفیل ایجاب کا مرکز ہوتا ہے، مکفول عنہ کی قبولیت اس کے انعقاد کے لیے شرط نہیں، اور مکفول عنہ کی اجازت کا اثر صرف کفیل کے حق رجوع پر پڑتا ہے۔ مال مکاتبت کی کفالت فقہ حنفی کے مشہور قول کے مطابق اس لیے درست نہیں کہ بدل کتابت لازم اور ثابت دین نہیں بلکہ مکاتب کے اختیار سے ختم ہو سکنے والا ضعیف حق ہے، اگرچہ اس مسئلے میں دیگر آراء بھی موجود ہیں۔ وفات کے بعد کفیل بننے کا مسئلہ اس طرح ہے کہ اگر میت نے قرض کے بقدر ترکہ چھوڑا ہو تو کفالت متفقہ طور پر درست ہے، اور اگر وہ مفلس مرا ہو تو صاحبین اور جمہور فقہاء حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے واقعے کی بنیاد پر اسے درست قرار دیتے ہیں، جبکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے اس کے خلاف رائے منقول ہے۔ ان تینوں مسائل سے کفالت کی اصل حقیقت واضح ہوتی ہے کہ یہ امانت، احسان اور قانونی ذمہ داری کا مجموعہ ہے، اس لیے کفیل بننے سے پہلے اپنی استطاعت اور ذمہ داری کی نوعیت کو اچھی طرح سمجھنا چاہیے۔ یہ جواب عمومی مقصد کے لیے ہے؛ انفرادی عملی مسئلے میں مستند اہل علم سے رجوع ضروری ہے۔

سوال نمبر 3: ہبہ — ایجاب و قبول، ہبہ کے الفاظ اور مشترک اشیاء کے ہبہ کے احکام (20 نمبر)

ہبہ میں ایجاب و قبول، ہبہ کے الفاظ اور مشترک اشیاء کے ہبہ کے احکام تحریر کریں۔ (20)

تعارف

تحفہ دینا انسانی محبت کے اظہار کے قدیم ترین اور خوبصورت ترین ذرائع میں سے ہے۔ شریعت اسلامیہ نے باہمی تحائف کے تبادلے کی ترغیب دی ہے کیونکہ اس سے دلوں کی کدورتیں دور ہوتی ہیں، رشتے مضبوط ہوتے ہیں اور معاشرے میں محبت و اخوت کی فضا قائم ہوتی ہے۔ فقہ کی زبان میں کسی مال کو بغیر عوض کے کسی دوسرے کی ملکیت میں دینے کو ہبہ کہا جاتا ہے، اور یہ باب فقہ المعاملات میں اس لیے اہم ہے کہ ہبے کا تعلق جائیداد، وراثت، خاندانی تنازعات اور نان و نفقے کے بہت سے عملی مسائل سے جڑا ہوتا ہے۔ عملی زندگی میں بیشتر تنازعات اسی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں کہ ہبہ کے ارکان اور شرائط کا لحاظ کیے بغیر محض زبانی بات کو ہبہ سمجھ لیا جاتا ہے، حالانکہ فقہاء نے اس کے مکمل

ہونے کے لیے ایجاب، قبول اور قبضے کو ضروری قرار دیا ہے۔ اس سوال میں تین مباحث مطلوب ہیں: ہبہ میں ایجاب و قبول کی نوعیت اور شرائط، ہبہ کے الفاظ کی اقسام اور ان کے اثرات، اور مشترک یعنی مشاع اشیاء کے ہبہ کا حکم، جس میں گہرے فقہی اختلافات اور باریک شرائط پائی جاتی ہیں۔ ان مباحث کا درست فہم طالب علم کو یہ سکھاتا ہے کہ شریعت نے تحفے جیسے احسان کے عمل کو بھی ضابطے اور انصاف کے دائرے میں رکھا ہے تاکہ کسی کا حق ضائع نہ ہو۔

ہبہ کی تعریف اور اس کے ارکان

ہبہ کے لغوی معنی ہیں عطا کرنا اور بخش دینا۔ فقہی اصطلاح میں ہبہ اس عقد کو کہتے ہیں جس کے ذریعے کوئی شخص اپنی مملوکہ چیز بغیر کسی عوض کے، اپنی زندگی میں، کسی دوسرے کی ملکیت میں دے دیتا ہے۔ اس تعریف کے اہم عناصر یہ ہیں کہ چیز دینے والے کی ملکیت ختم ہو، عوض نہ لیا جائے، اور منتقلی دینے والے کی زندگی ہی میں واقع ہو، کیونکہ وفات کے بعد کے لیے کی جانے والی ترتیب وصیت کہلاتی ہے اور اس کے احکام الگ ہیں۔ فقہاء نے ہبہ کے تین بنیادی ارکان بیان کیے ہیں۔ پہلا رکن ایجاب ہے، یعنی واہب یعنی ہبہ کرنے والے کی طرف سے ایسی پیش کش جس سے بخشش کا ارادہ ظاہر ہو۔ دوسرا رکن قبول ہے، یعنی موہوب لہ جس کے ہبہ کیا جا رہا ہے اس کی طرف سے اس پیش کش کو قبول کرنا۔ تیسرا رکن قبضہ ہے، یعنی ہبہ کی گئی چیز کا واقعی موہوب لہ کے قبضے و تصرف میں آ جانا۔ قبضے کی حیثیت پر فقہاء کی تفصیل یہ ہے کہ حنفی فقہاء کے نزدیک ہبہ ایجاب و قبول سے منعقد تو ہو جاتا ہے مگر اس کا لزوم اور تکمیل قبضے سے ہوتا ہے، یعنی جب تک قبضہ نہ ہو واہب واپس لے سکتا ہے۔ امام شافعی اور امام احمد رحمہا اللہ کے نزدیک بھی قبضے کو مضبوط حیثیت حاصل ہے، جبکہ بعض فقہاء نے بعض صورتوں میں، جیسے والد کا نابالغ بچے کو ہبہ کرنا، قبضے کی شرط میں نرمی اختیار کی ہے کیونکہ وہاں والد خود بچے کا ولی ہوتا ہے اور چیز درحقیقت اسی کے قبضے میں رہتی ہے۔ نابالغ کو ہبہ کیا جائے تو قبول اور قبضہ اس کے ولی کی طرف سے ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر موہوب لہ پہلے ہی سے وہ چیز کسی اور حیثیت سے، مثلاً امانت یا عاریت کے طور پر، اپنے پاس رکھے ہوئے ہو تو وہی قبضہ ہبہ کے قبضے کے قائم مقام سمجھا جاتا ہے اور نئے قبضے کی ضرورت نہیں رہتی۔ ان ارکان کی تکمیل کے بعد ہی ہبہ شرعاً مکمل ہوتا ہے اور ملکیتی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

ہبہ میں ایجاب و قبول کے احکام

ایجاب و قبول کے باب میں فقہاء نے چند اصول مقرر کیے ہیں۔ پہلا اصول یہ ہے کہ ایجاب واہب کی طرف سے ہو گا اور قبول موہوب لہ کی طرف سے، اور دونوں کا تعلق ایک ہی مجلس سے ہونا چاہیے، یعنی قبول اسی مجلس میں ہو جس میں ایجاب کیا گیا ہو۔ اگر مجلس ختم ہو جائے تو ایجاب بھی ختم سمجھا جاتا ہے، الا یہ کہ بیچ میں کوئی ایسا عمل آ جائے جو مجلس کے تسلسل کو باقی رکھے۔ دوسرا اصول یہ ہے کہ قبول ایجاب کے مطابق ہو، یعنی موہوب لہ اسی چیز اور اسی مقدار کو قبول کرے جو پیش کی گئی ہو۔ اگر واہب نے پورا مکان ہبہ کیا اور موہوب لہ نے نصف قبول کیا تو یہ اسی صورت میں مؤثر ہو گا جب واہب اس پر راضی ہو۔ تیسرا اصول یہ ہے کہ ایجاب میں شرط عوض نہ لگائی گئی ہو، کیونکہ اگر بخشش کے بدلے کوئی چیز طے کر لی جائے تو معاملہ ہبہ کے بجائے بیع یا ہبہ بعوض کی صورت اختیار کر لیتا ہے جس کے احکام قدرے مختلف ہیں، مثلاً اس میں بعض صورتوں میں شفعہ اور خیار عیب جیسے احکام جاری ہو جاتے ہیں۔ چوتھا اصول اہلیت کا ہے کہ واہب عاقل، بالغ اور اپنے مال میں آزادانہ تصرف کا مالک ہو۔ نابالغ اور جنون میں مبتلا شخص کا ہبہ درست نہیں ہوتا، اور مقروض کا وہ ہبہ جو قرض خواہوں کے حقوق کو نقصان پہنچائے، قانونی طور پر قابل اعتراض ہو سکتا ہے۔ پانچواں اصول یہ ہے کہ ایجاب کا موضوع یعنی موہوب چیز موجود، معلوم اور واہب کی ملکیت میں ہو۔ جو چیز سرے سے موجود ہی نہیں، مثلاً ابھی پیدا نہ ہونے والا پھل بطور مستقل چیز، اس کا ہبہ درست نہیں ہوتا۔ اسی طرح جو چیز واہب کی ملکیت میں ہی نہیں اس کا ہبہ بھی نہیں ہو سکتا۔ چھٹا اصول قبضے کی تکمیل ہے کہ ہبہ کی گئی چیز واہب کے تصرف سے اس طرح نکل جائے کہ موہوب لہ اس پر کامل اختیار حاصل کر لے، مثلاً مکان کی چابیوں سمیت خالی کر کے حوالے کرنا، زمین کے معاملے میں رجسٹری اور دخل و تصرف کی صورت، اور منقولہ چیزوں میں جسمانی سپردگی۔ جب یہ شرائط پوری ہو جائیں تو ہبہ مکمل اور لازم ہو جاتا ہے اور واہب کو اس میں رجوع کا حق اصولاً ختم ہو جاتا ہے، سوائے چند مخصوص صورتوں کے جن میں والد کا اولاد کو دیا ہوا ہبہ بطور خاص مذکور ہے، البتہ اس میں بھی فقہاء نے اخلاقی و شرعی حدود بیان کی ہیں۔

ہبہ کے الفاظ: اقسام اور اثرات

ہبہ کے الفاظ کو فقہاء نے دو بڑی اقسام میں تقسیم کیا ہے: صریح الفاظ اور کنایہ الفاظ۔ صریح الفاظ وہ ہیں جو بغیر کسی قرینے کے خود ہبہ ہی کے لیے وضع کیے گئے ہوں اور ان سے صرف بخشش کا مفہوم نکلتا ہو۔ ان میں سب سے مشہور لفظ وہبت ہے، یعنی میں نے تمہیں ہبہ کر دیا۔ اسی طرح نحلت، اعطیت بمعنی بخشش، اور اردو میں میں نے تمہیں یہ چیز دے دی، بخش دی، تمہاری ملک کر دی، جیسے جملے شامل ہیں۔ صریح الفاظ کا حکم یہ ہے کہ ان کے استعمال سے ہبہ فوراً سمجھا جائے گا اور بولنے والے کی نیت کی تحقیق کی ضرورت نہیں ہو گی، کیونکہ کلام کو اس کے ظاہر پر محمول کیا جاتا ہے۔ کنایہ الفاظ وہ ہیں جو ہبہ کے علاوہ دوسرے معنوں میں بھی استعمال ہوتے ہوں، مثلاً کسی نے کہا یہ چیز تمہارے لیے ہے، یہ تم لے جاؤ، یہ تمہارے کام آئے گی، یا کسی نے کھانا کھلا کر یہ کہنا کہ یہ میری طرف سے ہے۔ ایسے الفاظ سے ہبہ اسی وقت ثابت ہو گا جب بولنے والے کی نیت ہبہ کی ہو یا حالات و قرائن اس پر دلالت کریں۔ فقہاء نے اس فرق کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ بعض الفاظ عاریت یعنی عارضی استعمال، ضیافت، یا امانت کے لیے بھی بولے جاتے ہیں، اس لیے نیت کی تصریح کے بغیر ملکیت کی منتقلی جیسا بڑا اثر ان پر مرتب کرنا درست نہیں۔ ایک اور اہم بحث ہبہ، ہدیہ اور صدقہ کے الفاظ اور مفاہیم کے فرق کی ہے۔ فقہاء کی مشہور تقسیم یہ ہے کہ جو عطیہ ثواب کی نیت سے اللہ کی رضا کے لیے ضرورت مند کو دیا جائے وہ صدقہ ہے، جو اکرام و محبت کے اظہار کے لیے کسی کو بھیجا جائے وہ ہدیہ ہے، اور جو عام بخشش کے طور پر کسی کی ملکیت میں دیا جائے وہ ہبہ ہے۔ ان تینوں کے بعض قانونی اثرات ملتے جلتے ہیں مگر رجوع کے باب میں فرق آ جاتا ہے، مثلاً صدقے میں رجوع سب کے نزدیک ممنوع ہے۔ اسی طرح لفظ عمریٰ اور رقبیٰ کی تاریخی بحث بھی کتب فقہ میں موجود ہے، جن میں کسی کو عمر بھر کے لیے چیز دینے کی صورت بیان ہوتی تھی، اور فقہاء نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی کی روشنی میں ان کا حکم یہ قرار دیا کہ عمر بھر کے لیے دی گئی چیز موہوب لہ اور اس کے ورثاء کی ہو جاتی ہے۔ یہ بحث ظاہر کرتی ہے کہ ہبہ کے الفاظ محض رسمی بات نہیں بلکہ ان میں سے ہر لفظ اپنے ساتھ مخصوص قانونی اثرات لاتا ہے۔

جدول 1: ہبہ، ہدیہ اور صدقے میں بنیادی فرق

پہلو	ہبہ	ہدیہ	صدقہ

ثواب اور رضائے الٰہی	محبت و اکرام کا اظہار	بغیر عوض ملکیت منتقل کرنا	مقصد
عموماً ضرورت مند	عموماً شناسا و محترم شخص	کوئی بھی اہل شخص	مستحق
مستحق کے قبضے سے مکمل	بھیجنے و قبول سے مکمل	تکمیل کے لیے قبضہ ضروری	قبضہ
ممنوع	خلاف ما پسندیدہ	مخصوص صورتوں کے سوا درست نہیں	رجوع

مشترک (مشاع) اشیاء کے ہبہ کے احکام

مشاع اس مال کو کہتے ہیں جو دو یا زیادہ افراد کی مشترکہ ملکیت میں ہو اور ہر شریک کا حصہ مجموعی مال کے ہر جز میں پھیلا ہوا ہو، یعنی حصے الگ الگ متعین نہ ہوں۔ مثلاً دو بھائی ایک مکان کے نصف نصف شریک ہوں تو ہر ایک کا نصف حصہ مکان کے ہر کمرے اور ہر اینٹ میں مشاع ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا ایک شریک اپنا غیر منقسم حصہ کسی کو ہبہ کر سکتا ہے۔ اس مسئلے کو فقہاء نے چیز کی نوعیت کی بنیاد پر حل کیا ہے۔ پہلی صورت ان اشیاء کی ہے جو تقسیم کیے جانے کے قابل ہیں، جیسے بڑی زمین، مکان، پلاٹ اور اناج کی بڑی مقدار۔ ان کے بارے میں فقہ حنفی کا مشہور قول یہ ہے کہ ان میں مشاع کا ہبہ اس وقت تک مکمل اور درست نہیں ہوتا جب تک اس حصے کو الگ کر کے قابض نہ کرایا جائے، کیونکہ ہبہ کی تکمیل قبضے سے ہوتی ہے اور غیر منقسم حصے کا کامل قبضہ ممکن نہیں ہوتا۔ یہاں یہ نکتہ بھی ذہن میں رہے کہ اگر ہبہ شریک ہی کو کیا جا رہا ہو، یعنی ایک شریک اپنا حصہ دوسرے موجود شریک کو ہبہ کرے، تو اس میں نرمی ہے کیونکہ قبضے کی صورت پہلے سے ایک درجے میں موجود ہوتی ہے اور تقسیم کی حاجت کم ہو جاتی ہے۔ دوسری صورت ان اشیاء کی ہے جو تقسیم کے قابل نہیں ہوتیں یا تقسیم سے ان کی افادیت ختم ہو جاتی ہے، جیسے کنواں، حمام، چھوٹا سا کمرہ، مشترک راستہ اور چھوٹی قیمتی اشیاء۔ ان میں مشاع کا ہبہ فقہاء کے نزدیک درست ہے، کیونکہ یہاں تقسیم کی شرط لگانا عملاً ہبہ کو ناممکن بنا دے گا اور چیز کی نوعیت خود اس کی اجازت دیتی ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کی رائے اس مسئلے میں وسیع تر ہے کہ مشاع کا ہبہ مطلقاً درست ہے، خواہ چیز قابل تقسیم ہو یا نہ ہو، کیونکہ ان کے نزدیک قبضے کا مفہوم مشترکہ تصرف سے بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ فقہ مالکی اور حنبلی میں بھی اس حوالے سے تفصیلات موجود ہیں۔ جدید عملی زندگی میں یہ مسئلہ مشترکہ خاندانی جائیدادوں، وراثتی مکانات اور مشترکہ پلاٹوں میں کثرت سے پیش آتا

ہے، جہاں ایک شریک اپنے غیر منقسم حصے کو تحفے میں دے دیتا ہے اور بعد میں دیگر شرکاء سے تنازع کھڑا ہو جاتا ہے۔ اس کا بہترین حل یہی ہے کہ ہبہ سے پہلے تقسیم اور رجسٹری جیسے قانونی مراحل مکمل کر لیے جائیں، یا کم از کم تحریری دستاویز اور گواہوں کے سامنے قبضے کی صورت واضح کر دی جائے۔ یہ علمی بیان نصابی فہم کے لیے ہے، کسی حقیقی جائیدادی تنازعے میں حتمی فیصلہ عدالت اور متعلقہ اہل علم کا ہوتا ہے۔

خلاصہ و نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ ہبہ ملکیت کی بلا عوض منتقلی کا عقد ہے جس کے تین ارکان ایجاب، قبول اور قبضہ ہیں، اور فقہ حنفی میں قبضے کے بغیر ہبہ مکمل اور لازم نہیں ہوتا۔ ایجاب و قبول ایک مجلس میں، اہل فریقین کے درمیان اور اہلیت و ملکیت کی شرائط کے ساتھ ہونے چاہئیں۔ ہبہ کے الفاظ میں صریح الفاظ بغیر نیت کی تحقیق کے ہبہ ثابت کرتے ہیں، جبکہ کنایہ الفاظ میں نیت اور قرائن کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، اور ہبہ، ہدیہ و صدقہ کے درمیان مقصد اور اثرات کا فرق ذہن میں رکھنا ہے۔ مشترک اشیاء کے ہبہ میں قاعدہ یہ ہے کہ قابل تقسیم مشاع کا ہبہ حنفی قول کے مطابق تقسیم و قبضے کے بعد مکمل ہوتا ہے، غیر قابل تقسیم اشیاء میں یہ درست ہے، اور امام شافعی نے اسے مطلقاً درست قرار دیا ہے۔ طالب علم کو چاہیے کہ ان مباحث کو مثالوں سے جوڑ کر سمجھے اور عملی زندگی میں تحفے کے لین دین کو بھی شفاف، تحریری اور تنازع سے پاک رکھنے کی کوشش کرے۔

سوال نمبر 4: ودیعت (امانت) کے احکام پر جامع نوٹ (20 نمبر)

ودیعت (امانت) کے احکام پر جامع نوٹ لکھیں۔ (20)

تعارف

امانت انسانی معاشرے کی بنیادی قدروں میں سے ہے۔ سفر پر جانے والا اپنا سامان پڑوسی کے پاس رکھتا ہے، تاجر اپنا مال گودام میں جمع کراتا ہے، اور آج کے دور میں لوگ اپنی دستاویزات، زیورات اور قیمتی اشیاء بینک لاکروں میں محفوظ کراتے ہیں۔ ان تمام صورتوں کی فقہی بنیاد ودیعت کا باب ہے، جسے عام زبان میں امانت کہا جاتا ہے۔ ودیعت کے

احکام جاننا اس لیے ضروری ہے کہ امانت میں خیانت کو شریعت نے سنگین گناہ اور قانونی جرم قرار دیا ہے، اور دوسری طرف امین کی ذمہ داری کی حدود بھی متعین ہونا ضروری ہیں تاکہ بغیر قصور کے ہونے والے نقصان کا بوجھ اس پر نہ پڑے۔ اس جامع نوٹ میں ودیعت کی تعریف و مشروعیت، اس کے ارکان و شرائط، امین کی حیثیت اور اس کے ضامن ہونے اور نہ ہونے کی صورتیں، حفاظت کے تقاضے، واپسی کے احکام اور اس کے جدید مظاہر کو ترتیب وار بیان کیا جائے گا۔ یہ موضوع اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ اس کا تعلق گزشتہ مباحث سے جڑا ہے، کیونکہ وکیل اور کفیل کی طرح مودَع بھی امانت لینے والا، بھی بنیادی طور پر امین ہوتا ہے اور اسی اصول پر اس کے احکام مرتب ہوتے ہیں۔

ودیعت کی تعریف، مشروعیت اور ارکان

ودیعت کے لغوی معنی ہیں رکھی ہوئی چیز اور چھوڑی ہوئی امانت۔ فقہی اصطلاح میں ودیعت اس عقد کو کہتے ہیں جس میں مال کا مالک، جسے مودِع یعنی امانت رکھوانے والا کہتے ہیں، اپنا مال کسی دوسرے شخص کے پاس محض حفاظت کی غرض سے رکھواتا ہے، اور حفاظت کرنے والے کو مستودَع یا مودَع الیہ اور عام فہم میں امین کہا جاتا ہے۔ اس تعریف سے یہ بات خود واضح ہو جاتی ہے کہ ودیعت میں ملکیت منتقل نہیں ہوتی، قبضہ بھی صرف حفاظت کے لیے ہوتا ہے، اور امین کو اس مال میں کوئی تصرف کا کوئی حق حاصل نہیں ہوتا۔ امانت رکھنے کو شریعت نے نیکی اور تعاون کا عمل قرار دیا ہے اور امانت کی حفاظت و واپسی کو ایمان کی علامتوں میں شمار کیا گیا ہے، جبکہ خیانت کو مذموم صفت قرار دیا گیا ہے۔

ودیعت کے ارکان میں ایجاب و قبول شامل ہیں، یعنی مالک کی طرف سے رکھنے کی پیش کش اور امین کی طرف سے اسے قبول کرنا، خواہ یہ الفاظ سے ہو یا عمل سے، مثلاً سامان رکھ کر جانا اور دوسرے کا خاموشی سے اسے اپنی حفاظت میں لے لینا عرف کی روشنی میں قبول ہی شمار ہو گا۔ اس عقد کی شرائط میں سے ہے کہ دونوں فریق عاقل ہوں، ودیعت کی چیز ایسی مال ہو جس کا قبضہ ممکن ہو اور جسے محفوظ رکھا جا سکتا ہو، اور امانت رکھنے کا مقصد حفاظت کے سوا کچھ اور نہ ہو۔ اگر مال استعمال کے لیے دیا جائے تو وہ عاریت بن جاتا ہے، اگر نفع کے ساتھ کاروبار کے لیے دیا جائے تو اس کی نوعیت بدل جاتی ہے، لہٰذا عقد کی صحیح پہچان اس کی اصل غرض سے ہوتی ہے۔ یہ عقد دونوں طرف سے جائز یعنی غیر لازم سمجھا جاتا ہے، یعنی مالک جب چاہے اپنی امانت واپس لے سکتا ہے اور امین بھی جب چاہے یہ کہہ کر امانت لوٹا سکتا ہے کہ وہ مزید حفاظت نہیں کر سکتا، بشرطیکہ واپسی مناسب وقت اور طریقے سے ہو۔

امین کی حیثیت: ید امانت اور ضمان کی صورتیں

ودیعت کے پورے باب کا محور یہ اصول ہے کہ امین کا ہاتھ ید امانت ہے، ید ضمان نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر امانت اس کی تحویل میں بغیر اس کی تعدی، غفلت یا کوتاہی کے ہلاک یا ضائع ہو جائے، مثلاً چور ڈاکہ ڈال کر لے جائے، آگ لگ جائے یا قدرتی آفت آ جائے، تو امین اس نقصان کا ضامن نہیں ہو گا اور مالک کو اس کی قیمت نہیں دے گا، کیونکہ اس نے حفاظت کی معقول کوشش کی تھی اور نقصان اس کے سبب سے نہیں ہوا۔ فقہاء نے اس اصول کی تائید میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ اگر امین کو ہر غیر اختیاری نقصان کا ضامن بنا دیا جائے تو کوئی شخص کسی کی امانت رکھنے پر تیار ہی نہیں ہو گا اور باہمی تعاون کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ دوسری جانب وہ صورتیں بھی واضح طور پر بیان کی گئی ہیں جن میں امین ضامن بن جاتا ہے۔ پہلی صورت تعدی ہے، یعنی امین امانت کو بلا اجازت استعمال کرے، مثلاً رکھی گئی سواری استعمال کرے یا رقم اپنے کاروبار میں لگا دے، تو وہ آغاز ہی سے ضامن ہو جاتا ہے۔ دوسری صورت تقصیر یعنی غفلت ہے، مثلاً قیمتی چیز کو ایسی جگہ رکھنا جہاں معمولاً چور کا خطرہ ہو، یا تالا لگانا بھول جانا۔ تیسری صورت امانت کو مزید کسی اور کے پاس، مالک کی اجازت اور عذر کے بغیر، رکھوا دینا ہے۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ امین مالک کے مطالبے کے باوجود واپس کرنے کی قدرت رکھتے ہوئے بھی، انکار کر دے یا بلاوجہ ٹال مٹول کرے، اس لمحے سے اس کا ہاتھ ید ضمان میں بدل جاتا ہے۔ پانچویں صورت انکار و جحود ہے، یعنی امین سرے سے امانت لینے ہی کا انکار کر دے، ایسی صورت میں خیانت کی بنا پر وہ ضامن قرار پاتا ہے۔ چھٹی صورت امانت کو اپنے مال میں اس طرح ملا دینا ہے کہ فرق کرنا ممکن نہ رہے، جسے خلط کہا جاتا ہے۔ ان صورتوں کے ساتھ فقہاء نے امین کے خرچ کے مسئلے کو بھی بیان کیا ہے کہ امانت کی حفاظت پر ہونے والا معمولی خرچ عرف کے مطابق ہوتا ہے، جبکہ بڑا اور غیر معمولی خرچ مالک کی اجازت سے ہونا چاہیے۔ یہ متوازن اصول ایک طرف مالک کے حق کی حفاظت کرتا ہے اور دوسری طرف دیانت دار امین کو ناجائز بوجھ سے بچاتا ہے۔

جدول 1: امین کے ضامن ہونے اور نہ ہونے کی صورتیں

وجہ	ضمان کا حکم	صورت حال
امین کا ہاتھ ید امانت ہے	ضامن نہیں	قدرتی آفت یا چوری، بغیر غفلت

تعدی پائی گئی	ضامن ہے	بلا اجازت امانت کا استعمال
تقصیر یعنی غفلت	ضامن ہے	ناقص حفاظت، غیر محفوظ جگہ رکھنا
انکار کے بعد ہاتھ ید ضمان بن جاتا ہے	ضامن ہے	مطالبے پر قدرت کے باوجود انکار
حفاظت کی سپردگی بلا اجازت	ضامن ہے	اجازت کے بغیر کسی اور کے پاس رکھوانا
امانت کی شناخت ختم ہو گئی	ضامن ہے	اپنے مال میں ناقابل امتیاز خلط

حفاظت کے تقاضے اور ودیعت کی واپسی

فقہاء نے امین کے لیے حفاظت کا معیار یہ مقرر کیا ہے کہ وہ امانت کی اسی طرح حفاظت کرے جس طرح اس قبیل کی اپنی چیز کی حفاظت کرتا ہے، اور ایسی جگہ رکھے جسے عرف میں اس چیز کے لیے حرز یعنی محفوظ ٹھکانہ سمجھا جاتا ہو۔ نقدی اور زیور کے لیے محفوظ صندوق یا تجوری حرز ہے، اناج کے لیے گودام اور مویشی کے لیے باڑا۔ اگر امین اس معیار سے نیچے اترے تو وہ مقصر کہلائے گا اور اوپر بیان کردہ نتائج مرتب ہوں گے۔ امین اپنے اہل و عیال کے پاس امانت رکھ سکتا ہے اگر وہ بھی حفاظت کے اہل ہوں اور اس کا یہ عمل عرف کے خلاف نہ ہو، کیونکہ عام طور پر انسان اپنی قیمتی چیزیں بھی اپنے گھر والوں کے سپرد کرتا ہے۔ سفر کی صورت میں فقہاء نے احتیاط بیان کی ہے کہ جہاں مالک تک واپسی ممکن ہو، امین امانت کو ساتھ لے جانے کے بجائے واپس کرنا یا اس کی اجازت لینا بہتر ہے، اور نازک صورت حال مثلاً بیماری میں امین پر لازم ہے کہ وہ امانت کی تفصیل گواہوں یا اہل خانہ کو بتا دے تاکہ اس کی وفات کی صورت میں امانت ورثاء کے عام مال میں گم نہ ہو جائے۔ واپسی کے باب میں اصول یہ ہے کہ جب مالک مطالبہ کرے تو امین بلا تاخیر امانت بعینہ واپس کرے، کیونکہ امانت فروخت یا استعمال کی چیز نہیں کہ اس کا بدل پیش کیا جا سکے، الا یہ کہ چیز بعینہ ہلاک ہو چکی ہو اور امین ضامن بن چکا ہو تو قیمت ادا ہو گی۔ اگر امانت کی چیز میں امین کی محنت کے بغیر خود بخود اضافہ ہو جائے، مثلاً رکھوایا گیا جانور بچہ دے، تو وہ اضافہ بھی مالک ہی کا ہو گا کیونکہ وہ اصل مال کی نماء ہے۔ اسی طرح مالک کی وفات کی صورت میں امانت اس کے ورثاء کو اور امین کی وفات کی صورت میں امانت اس کے ترکے سے الگ کر کے اصل مالک کو لوٹائی جائے گی، اسی لیے امانت کو کسی کے ترکہ

میں شامل نہیں سمجھا جاتا۔ جدید دور میں بینک لاکر، گودام رسیدیں، امانت دار ادارے اور کسٹوڈین سروسز سب اسی باب کی عملی صورتیں ہیں اور ان پر بھی امانت و خیانت کے یہی بنیادی اصول لاگو ہوتے ہیں۔

خلاصہ و نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ ودیعت حفاظت کی غرض سے مال سپرد کرنے کا عقد ہے جس میں ملکیت منتقل نہیں ہوتی اور امین کو ذاتی تصرف کا حق نہیں ملتا۔ امین کا ہاتھ ید امانت ہے، اس لیے بغیر تعدی و تقصیر کے ہونے والے نقصان کا وہ ضامن نہیں ہوتا، مگر استعمال، غفلت، بلا اجازت آگے سپردگی، مطالبے پر انکار، انکار اصل اور ناقابل امتیاز خلط کی صورتوں میں وہ ضامن بن جاتا ہے۔ حفاظت کا معیار یہ ہے کہ امین امانت کو اس کے مناسب حرز میں اپنی چیز کی طرح رکھے، اور مطالبے پر وہ چیز بعینہ بلا تاخیر واپس کرے۔ یہ احکام ظاہر کرتے ہیں کہ شریعت نے امانت کے نظام میں اعتماد اور احتساب دونوں کا حسین امتزاج رکھا ہے۔ طالب علم کو چاہیے کہ امین کی حیثیت اور ضمان کی چھ صورتوں کو جدول کی مدد سے دہرائے، کیونکہ یہی اس سوال کا مرکزی نکتہ ہے۔

سوال نمبر 5: قرض لینے کی شرائط اور آداب (20 نمبر)

قرض لینے کی شرائط اور آداب تحریر کریں۔ (20)

تعارف

قرض انسانی معاشرے کی ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ بیماری، تعلیم، مکان، کاروبار یا اچانک پیش آنے والے خرچ کے لیے کبھی کبھی انسان کو دوسروں سے وقتی مدد لینا پڑتی ہے۔ اسلام نے قرض کے لین دین کو صرف جائز ہی نہیں رکھا بلکہ ضرورت مند کو قرض دینے کو قرض حسنہ کہہ کر صدقے کے برابر ثواب کا عمل قرار دیا، اور قرآن مجید کی طویل ترین آیت اسی موضوع پر نازل ہوئی جس میں قرض کے معاملات کو لکھنے، مدت متعین کرنے اور گواہ بنانے کی رہنمائی دی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ شریعت نے قرض لینے

والے پر بھی کچھ شرائط اور آداب عائد کیے ہیں تاکہ یہ مدد کا نظام اعتماد کے ساتھ چلتا رہے اور نہ قرض خواہ کا حق ضائع ہو اور نہ مقروض عزت نفس سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ اس سوال میں انہی دو پہلوؤں، یعنی قرض لینے کی شرائط اور قرض سے متعلق آداب، کو تفصیل سے بیان کیا جائے گا۔ یہ موضوع اس لحاظ سے بھی روزمرہ اہمیت رکھتا ہے کہ آج کے دور میں ذاتی قرضے، کریڈٹ کارڈ اور آسان اقساط کی سہولتیں عام ہو چکی ہیں اور ان میں وہی اصول کارفرما ہونے چاہئیں جو فقہاء نے صدیوں پہلے بیان کر دیے تھے۔

قرض کی تعریف اور بنیادی نوعیت

قرض کے لغوی معنی ہیں کاٹنا، کیونکہ قرض دینے والا اپنے مال کا ایک حصہ کاٹ کر دوسرے کو دیتا ہے۔ فقہی اصطلاح میں قرض اس عقد کو کہتے ہیں جس میں ایک شخص دوسرے کو کوئی مثلی مال، یعنی ایسی چیز جو ناپ، تول یا گنتی سے متعین ہوتی ہو اور بازار میں اس جیسی چیز مل جاتی ہو، اس شرط پر دیتا ہے کہ وہ اس جیسی چیز واپس کرے گا۔ نقد رقم قرض کی عام ترین مثال ہے۔ قرض کی ایک بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ قرض لی گئی چیز قرض گیر کے قبضے سے اس کی ملکیت میں آ جاتی ہے اور اسی وقت سے اس کی واپسی اس کے ذمے قرض بن جاتی ہے۔ دوسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ قرض اصل میں تبرع اور احسان کا عقد ہے، اس لیے اس میں کسی قسم کا زائد فائدہ یا مشروط نفع جائز نہیں ہوتا۔ فقہاء کا مشہور اصول ہے کہ ہر وہ قرض جس کے ساتھ قرض دہندہ کے لیے مشروط نفع رکھا جائے وہ سود کے حکم میں داخل ہو جاتا ہے، اسی لیے قرض کے وقت یہ شرط لگانا کہ واپسی پر کچھ اضافی دیا جائے گا یا قرض دہندہ اس دوران کوئی خاص فائدہ اٹھائے گا، اس معاملے کو حرام بنا دیتا ہے۔ البتہ قرض گیرا گر خوشی اور بغیر کسی شرط کے واپسی کے وقت کچھ بہتر یا زیادہ دے دے، تو یہ حسن قضاء یعنی اچھے انداز سے ادائیگی کہلاتا ہے اور اس کی ترغیب دی گئی ہے، بشرطیکہ یہ عرفاً لازمی رواج نہ بن چکا ہو۔ قرض کی مدت طے کرنا سنت کے مطابق پسندیدہ ہے تاکہ دونوں فریق مطمئن رہیں، اور قرض کی ادائیگی تک قرض دہندہ کا حق مقروض کے ذمے باقی رہتا ہے جو اس کی وفات کی صورت میں اس کے ترکے سے سب سے پہلے ادا کیا جاتا ہے۔

قرض لینے کی شرائط

فقہاء نے قرض کے صحیح اور درست ہونے کے لیے کئی شرائط بیان کی ہیں جنہیں مقروض بننے والے کو بھی جاننا ضروری ہے۔ پہلی شرط اہلیت ہے، یعنی قرض لینے والا عاقل اور اپنے مال میں تصرف کا اہل ہو۔ نابالغ بچہ یا ذہنی طور پر معذور شخص آزادانہ قرض نہیں لے سکتا، اس کے ولی کی اجازت اور مصلحت کی شرائط الگ سے بیان ہوئی ہیں۔ دوسری شرط یہ ہے کہ قرض کی چیز مثلی ہو، یعنی رقم، اناج، تیل وغیرہ جیسی چیزیں جن کی مثل واپس کی جا سکتی ہو۔ جو چیزیں منفرد ہوں اور ان کی مثل بازار میں نہ ملتی ہو، ان کا لین دین قرض نہیں بلکہ عاریت کے حکم میں ہوتا ہے اور وہی چیز بعینہ واپس کرنا ہوتی ہے۔ تیسری شرط مال کا حلال اور معلوم ہونا ہے، یعنی قرض کی مقدار، جنس اور نوعیت واضح ہو تاکہ واپسی کے وقت جھگڑا نہ ہو، اور قرض ناجائز مقصد کے لیے نہ لیا جا رہا ہو۔ چوتھی شرط قرض کی تحریر اور گواہ سے متعلق ہے۔ شریعت نے مدت والے قرض کو لکھنے کی تاکید فرمائی ہے، اور اس تحریر میں مقدار، مدت اور شرائط واضح درج ہونی چاہئیں۔ یہ تحریر دونوں فریقوں کے تحفظ کے لیے ہے، کیونکہ بھول چوک، انکار اور ورثاء کے اختلاف جیسے مسائل تحریر سے ختم ہو جاتے ہیں۔ پانچویں شرط سود سے مکمل کنارہ کشی ہے، یعنی لین دین کے وقت یا بعد میں کوئی ایسا معاہدہ نہ ہو جس سے قرض دہندہ کو قرض کے عوض یقینی فائدہ ملے۔ چھٹی شرط واپسی کی قدرت اور سنجیدہ ارادے کا جائزہ ہے۔ اگرچہ یہ قانونی شرط کی بجائے اخلاقی و شرعی ذمہ داری زیادہ ہے، مگر فقہاء نے اسے بہت اہمیت دی ہے کہ جو شخص جانتا ہو کہ وہ واپس کرنے کی سکت نہیں رکھتا اور واپسی کا ارادہ بھی نہیں رکھتا، اس کا قرض لینا خیانت کے قریب ہو جاتا ہے۔ ساتویں شرط یہ ہے کہ قرض کسی ایسے مال یا معاملے سے متعلق نہ ہو جو شرعاً ممنوع ہو، مثلاً شراب یا جوئے کے لیے لیا گیا قرض اس مقصد کی حرمت کی وجہ سے مذموم ہے۔

جدول 1: قرض کی شرائط اور آداب کا تقابلی خلاصہ

پہلو	شرائط (قانونی و شرعی تقاضے)	آداب (اخلاقی تقاضے)
لینے والا	عاقل و اہل تصرف ہو	سچی ضرورت پر ہی قرض لے
چیز	مثلی، حلال اور مقدار میں معلوم ہو	واپسی کی نیت اور منصوبہ پہلے سے ہو

شرائط کا کھلے دل سے احترام	تحریر، مدت اور گواہی کی رعایت ہو	معاہدہ
خوشی سے بہتر واپسی حسن قضاء ہے	کوئی مشروط نفع سود ہے، ممنوع	نفع
بغیر مطالبے کے بروقت ادائیگی	مقررہ مدت پر واپسی لازم	ادائیگی

قرض لینے اور ادا کرنے کے آداب

شرائط کے بعد قرض کے آداب کا باب اسلام کے اخلاقی نظام کا شاہکار ہے، کیونکہ قانون جہاں ختم ہوتا ہے وہاں اخلاق معاشرے کو سنبھالتا ہے۔ پہلا ادب یہ ہے کہ قرض صرف حقیقی ضرورت کے وقت لیا جائے، آسائش، نمائش اور فضول خرچی کے لیے قرض لینے کو فقہاء و محدثین نے ناپسندیدہ قرار دیا ہے، کیونکہ یہ رفتار رفتار پورے خاندان کو مالی دلدل میں پھنسا دیتا ہے۔ دوسرا ادب لینے کے وقت کی نیت ہے: قرض گیر کو دل میں یہ پختہ ارادہ کرنا چاہیے کہ وہ اسے مقررہ وقت پر ضرور واپس کرے گا۔ روایات میں اس نیت کی بڑی فضیلت بیان ہوئی ہے اور یہ بھی کہ جس کی نیت ادائیگی کی ہو اس کے لیے آسانیاں پیدا ہوتی ہیں، جبکہ تلف کرنے کی نیت رکھنے والے کا انجام خراب بتایا گیا ہے۔ تیسرا ادب بروقت ادائیگی ہے۔ استطاعت کے باوجود قرض کی واپسی میں ٹال مٹول کو ظلم قرار دیا گیا ہے، کیونکہ اس سے قرض دہندہ کا اعتماد ٹوٹتا ہے اور آئندہ کسی ضرورت مند کو قرض ملنا مشکل ہو جاتا ہے۔ چوتھا ادب قرض خواہ کے ساتھ حسن سلوک ہے، یعنی مطالبے پر برا ماننے کے بجائے شکر گزاری کا رویہ اختیار کرنا، پیشگی اطلاع دینا اگر کسی وجہ سے تاخیر ہو جائے، اور قرض دہندہ کا احسان یاد رکھنا۔ پانچواں ادب تنگ دستی کی صورت میں صداقت ہے: اگر مقروض واقعی معسر ہو جائے تو اسے چھپانے یا بھاگنے کے بجائے قرض خواہ سے صاف بات کرنی چاہیے اور مہلت کی درخواست کرنی چاہیے، کیونکہ شریعت نے قرض دہندہ کو بھی ہدایت دی ہے کہ تنگ دست کو مہلت دے اور ہو سکے تو معاف کر دینے کو صدقہ قرار دیا ہے۔ چھٹا ادب قرض کے ریکارڈ کی حفاظت ہے، یعنی تحریر اور رسیدیں سنبھال کر رکھنا اور ادائیگی پر اس کی تحریری تصدیق لینا تاکہ ورثاء یا کسی تیسرے فریق کی طرف سے دوبارہ مطالبے کا امکان ختم ہو جائے۔ ساتواں ادب قرض دہندہ کی طرف سے بھی ہے کہ وہ تقاضے میں نرمی کرے، مقروض کی عزت نفس مجروح نہ

کرے، اور ادائیگی کے لیے مناسب سہولت دے، کیونکہ قرض حسنہ کا ثواب اسی نرمی اور احسان سے کامل ہوتا ہے۔ ان آداب پر عمل کرنے سے قرض کا نظام محض مالی لین دین نہیں رہتا بلکہ بھائی چارے، اعتماد اور سماجی تحفظ کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

خلاصہ و نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ قرض ایک احسان پر مبنی عقد ہے جس کی شرائط میں اہلیت، نسلی و حلال مال، مقدار و مدت کی وضاحت، تحریر و گواہی کی رعایت اور سود سے مکمل پرہیز شامل ہے، اور اس کے آداب میں ضرورت پر قرض لینا، ادائیگی کی پختہ نیت، بروقت واپسی، ٹال مٹول سے اجتناب، تنگ دستی میں صداقت اور دونوں فریقوں کا باہمی حسن سلوک شامل ہے۔ قرض کا یہ متوازن نظام اس لیے قائم رہ سکتا ہے کہ اس میں قانونی ضابطے اور اخلاقی تربیت دونوں ساتھ چلتے ہیں۔ آج کے کریڈٹ نظام میں بھی یہی اصول رہنما ہیں کہ کوئی بھی قرض سود کی آمیزش سے پاک اور واپسی کی استطاعت کی جانچ کے ساتھ ہو۔ طالب علم کے لیے اس سوال کا اصل حاصل شرائط اور آداب کا باہمی فرق سمجھنا ہے، کہ شرائط کی خلاف ورزی معاملے کی شرعی حیثیت کو متاثر کرتی ہے جبکہ آداب کی خلاف ورزی اسے اخلاقی طور پر ناقص بنا دیتی ہے۔ کسی عملی قرضی تنازعے میں حتمی رائے کے لیے مستند علماء اور قانونی ماہرین سے رجوع کرنا چاہیے۔